OPEN ACCESS

AL-TABYEEN

(Bi-Annual Research Journal of Islamic Studies)

Published by: ***Department of Islamic Studies, The University of Lahore, Lahore.***

ISSN (Print): 2664-1178
ISSN (Online): 2664-1186
Jan-Jun 2024
Vol: 8, Issue: 1
Email: altabyeen@ais.uol.edu.pk
https://journals.uol.edu.pk/al-tabyeen

The Role of Ulama in the Formation of the Islamic State

اسلامی ریاست کی تشکیل میں علما کا کردار

Aqeel Ahmed*
Department of Islamic Studies, The University of Lahore, Lahore, Pakistan
https://orcid.org/0000-0001-9794-4355

Usman Mohi ud din
Department of Islamic Studies, The University of Lahore, Lahore, Pakistan
https://orcid.org/0009-0005-2291-9901

ABSTRACT

The 20th century is very important in the history of South Asia, in which the movement of a separate Islamic state (establishment of Pakistan) was succeeded, as a result of which Pakistan came into existence. After the establishment of Pakistan, people from all walks of life participated to the best of their abilities in order to establish it on Islamic lines and make it stable and prosperous. These scholars also played a prominent role in making Pakistan a welfare Islamic state. In order to achieve the real objectives of the establishment of Pakistan, they also built Madrasahs and through their sermons, they kept informing the people of the country about the objectives, benefits and responsibilities of the Islamic state. Along with this, they also commented (Tafseer) on the Holy Quran and presented their views on the need and system of the Islamic state. In this article, the commentary (Tafseeri) literature that came to after the establishment of

*Corresponding Author: **Aqeel Ahmed** (aqeel.ahmed@ais.uol.edu.pk)

Received: 16 Feb 2024; Accepted: 28 Mar 2024; Published online: 25 Dec 2025

Pakistan, it is being talked about. In the light of these tafasser, the topics that will be specially studied are as follows: The need and importance of making Pakistan an Islamic state, features and privileges, rights and obligations, principles and regulations of development and development, training elements and benefits and results of individuals and society etc.

Keywords: Muslim Ummah, 9/11, Media, Western, Civilization

قرآن کریم حیات انسانی کا عظیم منشور ہے۔ جو نہ صرف خالق اور مخلوق کے مابین تعلق کی جہات کو واضح کرتا ہے بلکہ فرد اور معاشرہ کی براہِ راست رہنمائی بھی کرتا ہے۔ ہدایت انسانی کے اس صحیفہ آخر کی روشنی میں اسلامی تاریخ کے ہر عہد میں علماء کرام انسانی زندگی کو پرامن اور خوش حال بنانے کے لیے اس کے احکامات کی تفسیر کرتے رہے ہیں۔ تاکہ زندگی سے غیر متوازی و غیر معتدل رویوں کا خاتمہ ہو سکے۔

جنوبی ایشیا کی تاریخ میں بیسویں صدی بڑی اہم ہے جس میں ایک علیحدہ اسلامی ریاست (قیام پاکستان) کی تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوئی جس کے نتیجہ میں پاکستان معرض وجود میں آیا۔ قیام پاکستان کے بعد اس کو اسلامی خطوط پر استوا کرنے اور اس کو مستحکم و خوش حال بنانے کے لیے جہاں تمام شعبہ ہائے زندگی کے افراد نے اپنے استعداد کے مطابق بھرپور حصہ لیا وہاں علماء کرام نے بھی پاکستان کو ایک فلاحی اسلامی ریاست بنانے کے لیے نمایاں کردار ادا کیا۔ قیام پاکستان کے مقاصد حقیقی کے حصول کے لیے انھوں نے مدارس بھی بنائے اور اپنے خطبات و مواعظ سے اسلامی ریاست کے مقاصد، فوائد اور ذمہ داریوں سے بھی اہل وطن کو آگاہ کرتے رہے۔ اس کے ساتھ انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر بھی کی اور اس میں اسلامی ریاست کی ضرورت اور نظام پر اپنی آراء پیش کیں۔

زیرِ نظر مقالہ میں قیام پاکستان کے بعد جو تفسیری ادب منصہ شہود میں آیا اس میں درج ذیل تفسیری ادب کے مطابق بات کی جائے گی۔

تفسیر حسنات: ابوالحسنات سید احمد قادری (م:1961ء)

معارف قرآن: مفتی محمد شفیع (م:1976)

تفہیم القرآن: سید ابوالاعلیٰ مودودی (م:1979ء)

تدبر قرآن: امین احسن اصلاحی (م: 1997ء)

ضیاالقرآن: پیر محمد کرم شاہ الازہری (م: 1998ء)

تیسیر القرآن: عبدالرحمٰن کیلانی (م: 1995ء)

بیان القرآن: ڈاکٹر اسرار احمد (م: 2010ء)

تبیان القرآن: علامہ غلام رسول سعیدی (م: 2016ء)

ان تفاسیر کی روشنی میں جن مباحث کا خصوصی مطالعہ کیا جائے گا وہ حسب ذیل ہیں:

پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کی ضرورت واہمیت، خصوصیات وامتیازات، حقوق وفرائض، استحکام وترقی کے اصول وضوابط، فرد ومعاشرہ کے تربیتی عناصر اور فوائد وثمرات وغیرہ۔

قرآن کریم جمیع علوم کا مخزن وسرچشمہ ہے جو انسان کی فکری واعتقادی رہنمائی کے ساتھ اس کی سیاسی، سماجی اور اخلاقی رہنمائی کے جامع اصول عطا کرتا ہے۔ ایک انسان جس معاشرے میں بھی رہتا ہے وہاں اس کے معاشرے کے حقوق اور فرائض ہوتے ہیں جس سے فرد اور معاشرے کی ذمہ داریوں کا تعین ہوتا ہے۔ ان حقوق وفرائض کی درست ادائیگی ہی میں دونوں کی فلاح ممکن ہے

قرآن کریم کا عبادات کا تصور فرد کی معاشرتی زندگی کو سنوارنے کی بھی ایک سبیل ہے۔ کوئی بھی فرد معاشرہ کے بغیر الگ ہو کر نہیں رہ سکتا اور معاشرہ افراد ہی کے مجموعہ کا نام ہے۔

قیام پاکستان کے بعد اس کے حقیقی مقاصد کی تکمیل اور ان کے مطابق تشکیل کے لیے اس کو ایک اسلامی فلاحی ریاست بنانے کے لیے انفرادی اور اجتماعی طور پر مساعی کی گئیں۔ جن میں مسلم سکالرز کا کردار بڑا نمایاں رہا۔ جس کے لیے انھوں نے مواعظ وخطبات، مدارس کے قیام کے ساتھ قرآن کریم کی روشنی میں پاکستانی ریاست کو اسلامی بنانے کے لیے اپنے اپنے حاصلات تحقیق پیش کیے علماء کرام اپنی آراء اس ضمن میں تفسیر کی صورت میں پیش کیں مزید مباحث سے قبل تفسیر کی معنویت اور ضرورت پر بات کی جا رہی ہے۔

تفسیر کی ضرورت واہمیت:

تفسیر کا آغاز عہد رسالت ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ صحابہ کرام جن کی زبان عربی تھی قرآن کریم کے احکامات اور دیگر واقعات پر رسول اللہ ﷺ سے رہنمائی لیتے۔ حضور اکرم ﷺ ان کی تفسیر وشرح فرماتے رہے عہد رسالت

کے بعد صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے ادوار میں بھی قرآن کریم کی تفسیر ہوتی رہی۔اس طرح قرن اول سے تا حال یہ سلسلہ جاری ہے۔ علامہ میر سید شریف تفسیر کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تفسیر کا لغوی معنی ہے: کشف اور ظاہر کرنا اور اصطلاحی معنی ہے واضح لفظوں کے ساتھ آیت کے معنی کو بیان کرنا، اس سے مسائل مستنبط کرنا، اس کے متعلق احادیث وآثار بیان کرنا اور اس کا شان نزول بیان کرنا۔"[1]

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

"تفسیر کا مادہ فسر ہے اس کا معنی ہے: معقول اظہار کرنا، مفرد الفاظ کی تفسیر اور مشکل معنی کے بیان کو تفسیر کہتے ہیں۔"[2]

اسی طرح علامہ ابن الجوزی لکھتے ہیں:

"کسی چیز کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لانا تفسیر ہے اور کسی لفظ کو اس کے اصل معنی سے نقل کر کے دوسرے معنی پر محمول کرنا تاویل ہے"[3]

مذکورہ بالا تعریفات سے یہ واضح ہوا کہ آیات قرآنیہ کے معانی و مفاہیم کو آسان اور کھول کر بیان کرنے کو تفسیر کہتے ہیں۔ تفسیر اس لیے بھی ضروری ہے کہ کسی بھی معاشرے میں بسنے والوں کا شعور اور اور علمی صلاحیت ایک جیسے نہیں ہوتے۔اس صورت میں اہل علم کا یہ فریضہ ہے کہ وہ احکام الٰہیہ کو ان کے فہم وادراک اور عقلی استعداد کے مطابق پیش کریں اس طرح سے یہ ابلاغ خیر کے ساتھ مشہور حدیث مبارکہ

«يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا»[4]

"آسانی کرو اور مشکلات نہ پیدا کرو (یعنی مشکلات کو دور کرو) پر بھی عمل ہے۔"

اسلامی تاریخی روایت وضرورت کے پیش نظر ہر عہد میں اہل علم نے اپنے اپنے خطہ میں بسنے والوں کی فکری،

---

1. شریف، میر سید، کتاب التعریفات، المطبعۃ الخیریہ، مصر، 1306ھ، ص:38
2. اصفہانی، علامہ راغب، المفردات، المکتبہ المرتقویۃ، ایران، 1342ھ، ص:380
3. جوزی، ابو عبد الرحمن، زاد المیسر، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، 1407ھ، 1/4
4. بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما کان النبی ﷺ یتخولھم .....، دار السلام، ریاض، 2008ء، رقم الحدیث: 69

سماجی اور دیگر جہات میں رہنمائی کے لیے علوم اسلامیہ کے اس ماخذ اول کے احکام کو کھول کر بیان کرنے کی سعی کی تاکہ لوگوں کو نفس مسئلہ سمجھنے کے ساتھ عمل کرنے کی بھی آسانی ہو۔

قیام پاکستان کے بعد علماء کرام نے پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کے لیے مختلف جہات میں کام کیا جس میں ایک جہت قرآن کریم کی تفسیر بھی ہے۔ قرآنی تفسیر میں انھوں نے حصول اقتدار کا اسلامی نظریہ و مقاصد، اسلامی ریاست کا منشور و دستور، ریاست کے انتظام و انصرام کا طریقہ اور حکام و عوام کے مابین تعلقات کی جہات وغیرہ پر خصوصی طور پر بحث کی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ﴾[1]

"فرمایا (یوسف علیہ السلام) نے مجھے کر دے خزانچی زمین کا، میں حفاظت والا اور علم والا ہوں۔"

علامہ سید ابوالحسنات سید محمد احمد قادری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

"احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ طلب امارت کسی کو جائز نہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جب ملک میں اہل موجود ہوں اور اقامت احکام کسی ایک کے ساتھ خاص نہ ہو ایسی صورت میں امارت طلب کرنا مکروہ ہے مگر جب عام طور پر حکومت نااہلوں کے ہاتھ بازیچہ اطفال بن رہی ہو اور اس کا اہل اس ایک کے علاوہ نہ ہو تو ایسی حالت میں امارت طلب کرنا اور امیدوار بننا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے.......آیت کریمہ سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ ظالم بادشاہ کی طرف سے عہدے قبول کرنا بہ نیت اقامت عدل جائز ہے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ احکام دین کا اجرا فرمانے کے لیے اگر ماسبق بادشاہ کی تمکین بغیر نہ ہو سکے تو اس سے مدد لینا جائز ہے۔ یہ مسئلہ بھی اس آیت کریمہ سے مل گیا کہ اپنی خوبیوں اور اپنے جوہروں کا بیان نیت تفاخر و تکبر جائز نہیں لیکن دوسروں کو نفع پہچانے کی غرض سے یا رعایا کے حقوق کی محافظت کے خیال سے اپنی شخصیت کا تعارف کرانے کی ضرورت لاحق ہو تو منع نہیں۔"[2]

اس آیت کی تفسیر میں علامہ عبدالرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں :

[1] یوسف، 12: 55

[2] قادری، ابوالحسنات، سید احمد، تفسیر الحسنات، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، 2007ء، 4، 288

"طلب امارت کس صورت میں مذموم ہے؟دوسری بات یہ ہے کہ طلب امارت شرعاممنوع اور مذموم چیز ہے تو پھر سیدنایوسف علیہ السلام نے ایسا مطالبہ کیوں کیا تھا؟ بالخصوص جبکہ بادشاہ کافر بھی تھا؟تواس کا جواب یہ ہے کہ طلب امارت صرف اس صورت میں ممنوع اور مذموم ہے جبکہ اس کا جذبہ محرکہ یا مقصود صرف حب جاہ ومال ہو لیکن جہاں ملک بھر کا انتظام درہم برہم ہو رہا ہو یا کسی بڑے مفسدہ کا خطرہ موجود ہو اور مطالبہ کرنے والے کو یہ بھی علم ہو کہ کوئی دوسرا اس کے سوا یہ بوجھ برداشت کرنے کے قابل نہیں تو اس وقت مطالبہ نہ کرنا مذموم بن جاتا ہے۔"[1]

مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ مصالحت عامہ اور دینی اقدار وشناخت کی حفاظت وفروغ کے لیے حکومت واقتدار کا مطالبہ درست ہے اسی تصور کے پیش نظر علماء کرام نے تحریک پاکستان میں بھرپور کردار ادا کیا اور مسلم لیگ کا ساتھ دیا تاکہ علیحدہ ریاست کے حصول سے نظام خیر کا کلی نفاذ ممکن ہو سکے۔

تحریک پاکستان کے جلسوں میں جس قیادت بانیان پاکستان کرتے تھے اس میں سب سے مقبول یہی نعرہ تھا کہ: پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس بات کی تائید بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے انھوں نے فرمایا تھا:

"اسلام ہماری زندگی اور ہمارے وجود کا بنیادی سرچشمہ ہے ہم نے پاکستان کا مطالبہ، زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں اسلام کے اصولوں کو اپنا سکیں۔"[2]

اہل ایمان کو جب حکومت حاصل ہو جائے تو پھر ریاست کن بنیادوں پر کھڑی کی جائے قرآن مجید میں ارشاد ہو ہے:

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾[3]

---

1. کیلانی، عبدالرحمٰن، تیسیر القرآن، مکتبہ دارالسلام، لاہور، س۔ن، 4/84
2. جناح، محمد علی، قائداعظم، 13 جنوری 1948ء، اسلامیہ کالج پشاور
3. الحج، 22:41

"وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں دنیا میں حکومت دیں تو نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کام کا حکم کریں اور برے کاموں سے روکیں اور ہر کام کا انجام تو اللہ کے ہی ہاتھ میں ہے۔"

علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری اس آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی کے حوالے سے لکھتے ہیں :

''والتمکین السلطنه ونفاذ الامر۔تمکین في الارض سے مراد سلطنت اور نفاذ احکام کی قوت ہے اور امر بالمعروف سے مراد توحید کی تعلیم ہے اور نہی عن المنکر سے مراد شرک سے روکنا ہے اور صلوۃ سے مراد فرائض پنجگانہ ہیں اور ایسے ہی زکوۃ سے مراد زکوۃ مفروضہ ہے۔"(1)

ڈاکٹر اسرار احمد اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"مومنین کو اگر کسی ملک پر حکومت کرنے کا اختیار ملے گا تو وہ اپنی پہلی ترجیح کے طور پر نماز کا نظام قائم کریں گے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پہنچتے ہی جمعہ کے قیام کا اہتمام فرمایا اور اقامت صلوٰۃ کے لیے ترجیحی بنیادوں پر مسجد نبوی کی تعمیر کی........اگر یہ روایت صحیح ہے کہ یہ آیات سفر ہجرت کے دوران نازل ہوئیں تھیں تو ان میں سے خصوصی طور پر یہ آیت حضور ﷺ کے مدینہ تشریف آوری کے فوراً بعد کی صورت حال کے لیے ایک منشور کا درجہ رکھتی ہے۔چونکہ مدینہ میں آپ ﷺ کا ورود ایک بے تاج بادشاہ کی حیثیت سے ہونے والا تھا اور مدینہ پہنچتے ہی آپ ﷺ کو اختیار و اقتدار ملنے والا تھا اس لیے اللہ تعالی نے پیشگی بتادیا کہ اس صورت حال میں آپ ﷺ کی ترجیحات کیا ہوں گی۔ چنانچہ جس طرح آج کل ہر سیاسی پارٹی الیکشن سے پہلے اپنا منشور جاری کرتی ہے کہ حکومت ملنے کی صورت میں ہماری ترجیحات کیا ہوں گی اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہل ایمان کو ہمیشہ کے لیے ایک منشور عطا کر دیا ہے کہ کسی ملک میں اقتدار ملنے کی صورت میں انہیں کون کون سے امور ترجیحی بنیادوں پر انجام دینے ہوں گے۔"(2)

علامہ غلام رسول سعیدی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

"اقتدار دینے سے مراد ان کو سلطنت اور حکومت عطا فرمانا ہے اور ان کو یہ قوت دینا کہ اپنے احکام کو

---

(1) تفسیر الحسنات،

(2) اسرار احمد، ڈاکٹر، بیان القرآن، انجمن خدام القرآن، لاہور، 2008ء، 6، 113

لوگوں پر نافذ کر سکیں اور اس سے مراد مطلق قدرت نہیں ہے کیونکہ مطلق قدرت تو ہر شخص کو حاصل ہے لیکن ہر شخص کو یہ قدرت نہیں کہ وہ زمین پر نماز کا نظام قائم کر سکے، مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کر کے اس کے مصارف پر خرچ کرے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے یعنی لوگوں سے نیک کاموں پر عمل کرائے اور برے کاموں پر ان پر حد اور تعزیر جاری کرے۔"[1]

اس آیت میں مخاطب اہل اقتدار ہیں اور حصول اقتدار کے بعد ان کی ترجیحات کا ذکر ہے ان میں اقامت صلوٰۃ کا نظام، زکوٰۃ کا نظام، فروغ خیر کا ادارہ اور انسداد شر کا ادارہ سرِ فہرست ہیں۔ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو اسلامی ریاست کے دیگر ادارے انہی کے ذیل میں آتے ہیں۔

نظام صلوۃ مکمل تعلیمی و تربیتی نظام کی طرف راغب کرتا ہے۔ نظام زکوٰۃ مکمل معیشت ہے جبکہ فروغ خیر یعنی نیکی کے حکم دینے میں ہی صالح معاشرہ کا قیام ہے جبکہ برائی کو روکنے میں معاشرہ میں ظلم، ناانصافی، کرپشن اور دیگر برائیوں کا تدارک ہے۔

اسلامی ریاست جب معرض وجود میں آجائے تو عوام کس طرح حکام کے ساتھ معاملہ کرے اور حکام کس انداز سے نظام حکومت چلائیں اس حوالے سے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾[2]

"اے ایمان والوں! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو (اپنے ذی شان) رسول کی اور حاکموں کی جو تم میں سے ہوں پھر اگر جھگڑنے لگو تم کسی چیز میں تو لوٹا دو اسے اللہ اور (اپنے) رسول (کے فرمان) کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور روز قیامت پر یہی بہتر ہے اور بہت اچھا ہے اس کا انجام"

علامہ غلام رسول سعیدی "اولی الامر" کی تفسیر میں لکھے ہیں:

---

(1) سعیدی، علامہ غلام رسول، تبیان القرآن، فرید بک سٹال، لاہور، 2009ء، 7، 765

(2) النساء، 4:59

''اس آیت میں أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الامر فرمایاہےاور ''اولی الامر منکم'' سے پہلے ''اطیعوا'' کاذکر نہیں فرمایابلکہ اس کا پہلے اطیعواپر عطف کیا گیاتا کہ ان کی اطاعت بالتبع ہو اس میں یہ نکتہ ہے کہ اللہ کی مستقل اطاعت ہے اور رسول درود کی بھی مستقل اطاعت ہے اور علماء و حکام کی مستقل اطاعت نہیں ہے جب ان کے احکام اللہ اور رسول کے احکام کے مطابق ہوں تو ان کی اطاعت ہے ورنہ نہیں ہے۔''[1]

اسلامی ریاست میں حکمرانوں اور عمال کے لیے ''اولی الامر'' کی اصطلاح یہ واضح کرتی ہے کہ خیر کے ہر امر میں ان کی تقلید کی جائے گی تاکہ ریاست کا نظام خوش اسلوبی سے چلتا رہے اور فرد اور معاشرے میں حقوق و فرائض کی ادائیگی معتدل طریقے سے ہوتی رہے۔ اسلام نے عوام کو تو ''اولی الامر'' کا پابند کیا ہے اور ساتھ ہی ''اولی الامر'' کے لیے بھی ضابطہ مقرر کیا ہے کہ وہ کس طرح نظام چلائیں۔

سید مودودی اس کی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''مذکورہ بالا دونوں اطاعتوں کے بعد اور ان کے ماتحت تیسری اطاعت جو اسلامی نظام میں مسلمانوں پر واجب ہے وہ ان ''اولی الامر'' کی اطاعت ہے جو خود مسلمانوں میں سے ہوں۔ ''اولی الامر'' کے مفہوم میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے سربراہ کار ہوں، خواہ وہ ذہنی و فکری رہنمائی کرنے والے علماء ہوں، یا سیاسی رہنمائی کرنے والے لیڈر، یا ملکی انتظام کرنے والے حکام، یا عدالتی فیصلے کرنے والے جج، یا تمدنی و معاشرتی امور میں قبیلوں اور بستیوں اور محلوں کی سربراہی کرنے والے شیوخ اور سردار۔ غرض جو جس حیثیت سے بھی مسلمانوں کا صاحب امر ہے وہ اطاعت کا مستحق ہے، اور اس سے نزاع کر کے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں خلل ڈالنا درست نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ خود مسلمانوں کے گروہ میں سے ہو، اور خدا اور رسول کا مطیع ہو۔ یہ دونوں شرطیں اس اطاعت کے لیے لازمی شرطیں ہیں۔''[2]

مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں:

''اولوالامر سے مراد اسلامی معاشرے کے ارباب حل و عقد، ذمہ دار اور سربراہ کار ہیں۔ معاشرے

[1] تبیان القرآن، 2، 705-706
[2] مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن، ترجمان القرآن، لاہور، س۔ن، 1، 363-367

کے حالات کے لحاظ سے اس کے مصداق ارباب علم و بصیرت بھی ہو سکتے ہیں اور ارباب اقتدار و سیاست بھی۔ جو لوگ بھی اس پوزیشن میں ہوں کہ عوام کی سربراہی کر سکیں وہ اس لفظ کے مصداق ہیں۔ اگر امام و خلیفہ موجود ہو تو وہ اور اس کے حکام اولوالامر ہیں اور اگر یہ موجود نہ ہوں تو جماعت کے اندر جو معاملہ فہم اور صاحب بصیرت ہوں وہ اس سے مراد ہوں گے۔......... اولو الامر کی امتیازی خصوصیت: جس زمانہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اس زمانے میں ظاہر ہے کہ نہ ابھی خلافت کا وجود تھا نہ باضابطہ امراء و حکام تھے۔ اس وجہ سے اولوالامر سے مراد صحابہ میں سے وہ لوگ ہوں گے جو دینی و اجتماعی معاملات کی گہری سوجھ بوجھ رکھنے والے اور لوگوں کے مرجع اعتماد تھے۔ یہاں استنباط کا لفظ اولوالامر کی امتیازی خصوصیت کو ظاہر کرتا ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اسلام میں مذہبی و سیاسی قیادت کا منصب اصلاً انہیں لوگوں کے لیے جو بصیرت و اجتہاد کی صلاحیت کے مالک ہیں۔ طبقے، برادری، خاندان اور جائداد وغیرہ کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔........ اسلام میں امر و طاعت کے تین مرکز: ہر اجتماعی و سیاسی نظام کی تشکیل امر اور طاعت سے ہوتی ہے۔ اسلام میں امر و طاعت کے مرکز تین ہیں۔ اللہ، رسول اللہ، اولوالامر۔ ان میں سے دو سابق الذکر مستقل اور بالذات مرکز اطاعت ہیں۔ اس وجہ سے ان کے ساتھ اطیعوہ کا فعل مستقلاً استعمال ہوا۔ اولوالامر کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت کے تحت ہے اس وجہ سے ان کے لیے اطیعوا کا فعل الگ نہیں استعمال ہوا بلکہ اس کو صرف سابق پر عطف کر دیا ہے۔"[1]

اولی الامر کی اطاعت معروف (خیر کے معاملات) سے مراد وہ امر ہے جو احکام شرعیہ پر مبنی ہو جس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہی نظر آئے دوسرے لفظوں میں "اولی الامر" کی حیثیت نظام خیر کی طرف بلانے والے کی ہے یعنی "حی علی الخیر" کی صدا لگائے تو اسی صورت میں اس کی حکم عدولی مناسب نہیں اس کے علاوہ دیگر صورتیں جو عصری معاشرے میں پروان چڑھ رہی ہیں کہ لسانی، مسلکی، جماعتی یا تنظیمی بنیادوں پر لوگوں کو اکٹھا کرنا یا دیگر مفادات کی خاطر اپنے منشور کی طرف بلانا اس میں عوام کے پاس تائید و تردید پر اور رد و قبول کا اختیار ہے۔ بانیان پاکستان نے مسلمانان برصغیر کے حقوق، نظریہ اور شناخت کے لیے جس جماعت کے تحت

[1] امین احسن اصلاحی، مولانا، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، 2009ء، 2، 323-326

تحریک پاکستان چلائی۔اس کا نام ہی ''مسلم لیگ'' تھا یعنی مسلمانوں کے اجتماعی تحفظ کے حقوق کا مقدمہ لڑنے والی جماعت،اس جماعت اور اس کے بانیان نے مقدمہ بھی خوب لڑا جس کے نتیجے میں پاکستان معرض وجود آیا یہ بات بھی ذہین نشین رہنی چاہیے کہ مسلم حقوق کی جب بات کی جائے گی تو اسی کے لیے بنیاد قرآن وسنت ہی ہے کیونکہ توحید ورسالت کے اقرار ہی سے بندہ مسلم کہلاتا ہے اور پھر اس کے نزدیک سپریم قوت قرآن وسنت ہی ہے اب جو حاکم اس کے مطابق بات کرے گا تو اس کے ایمان اور حصول حقوق کا تقاضا ہے کہ اس پر لبیک کہے۔

قرآن کریم میں میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾ (1)

''اور جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے سارے کام باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں''

پیر کرم شاہ الازہری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہے ہیں:

''اس آیت میں اسلامی سیاست کا ایک اہم ترین اصول بتایا گیا ہے۔جب ہر طرف ملوکیت اور شخصی آمریت کا بول بالا تھا۔بادشاہ اور آمر اپنی ساری رعایا اور سارے ملک کے لئے قانون بنانے کے مجاز تھے لیکن جن کے لئے قانون بنایا جارہا ہوتا ان کی پسند اور ناپسند،ان کے فائدہ اور نقصان کا جائزہ لینا قطعاً ضروری نہ خیال کیا جاتا۔اس مطلق العنان حکمران کی جو مرضی میں آجاتا وہی ملک کا قانون قرار پاتا خواہ اس سے سارا ملک ہی گوناگوں مشکلات میں گھر جائے۔اسلام نے جہاں زندگی کے ہر شعبہ میں قابل قدر،دوررس اور انقلابی نوعیت کی تبدیلیاں کیں وہاں سیاسی زندگی کو بھی نئے اصولوں سے آشنا کردیا۔ان میں ایک شورائی نظام ہے۔یعنی ہر کام جس کا تعلق عوام سے ہو اس کے بارے میں ان لوگوں سے ضرور صلاح مشورہ کیا جائے۔اس سے نہ صرف یہ کہ رعایا کی دل جوئی ہوتی ہے بلکہ انہیں اپنی اہمیت کا احساس ہوتا ہے اور استبدادی طریقہ کار سے جو مجبوری اور محرومی کی گھٹن قلب وروح کو ڈس رہی ہوتی ہے اس سے نجات حاصل ہوتی ہے۔نیز قومی سطح پر کسی اہم معاملہ

(1) الشوریٰ،38:42

کے متعلق فرد واحد کا فیصلہ نافذ کرنا بہت بڑی زیادتی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اپنے محدود علم، ناقص تجربہ یا اپنی ذاتی منفعت کے باعث کوئی غلط فیصلہ کر دے جس کا نقصان ساری قوم کو برداشت کرنا پڑے اور پھر بھی اس کی تلافی ممکن نہ ہو سکے۔ اس لئے مشورہ کا حکم دیا کہ ہر ایک اپنی اپنی قابلیت، تجربہ اور معاملہ فہمی کی صلاحیتوں کے مطابق مشورہ دے اور اس کی برکت سے منزل مقصود تک رسائی آسان ہو جائے گی۔"(1)

اس آیت کی تفسیر میں مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں:

"اسلام میں امیر کا انتخاب بھی مشورہ پر موقوف کر کے زمانہ جاہلیت کی شخصی بادشاہتوں کو ختم کیا ہے۔ جنہیں ریاست بطور وراثت کے ملتی تھی۔ اسلام نے سب سے پہلے اس کو ختم کر کے حقیقی جمہوریت کی بنیاد ڈالی مگر مغربی جمہوریت کی طرح عوام کو ہر طرح کے اختیارات نہیں رہتے، اہل شوریٰ پر کچھ پابندیاں عائد فرمائی ہیں۔ اس طرح اسلام کا نظام حکومت شخصی بادشاہت اور مغربی جمہوریت دونوں سے الگ ایک نہایت معتدل دستور ہے۔"(2)

سید مودودی اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

"مشاورت اسلامی طرز زندگی کا ایک اہم ستون ہے، اور مشورے کے بغیر اجتماعی کام چلانا نہ صرف جاہلیت کا طریقہ ہے بلکہ اللہ کے مقرر کیے ہوئے ضابطے کی صریح خلاف ورزی ہے۔ مشاورت کو اسلام میں یہ اہمیت کیوں دی گئی ہے؟ اس کے وجوہ پر اگر غور کیا جائے تو تین باتیں واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہیں۔

ایک یہ کہ جس معاملے کا تعلق دو یا زائد آدمیوں کے مفاد سے ہو، اس میں کسی ایک شخص کا اپنی رائے سے فیصلہ کر ڈالنا اور دوسرے متعلق اشخاص کو نظر انداز کر دینا زیادتی ہے۔ مشترک معاملات میں کسی کو اپنی من مانی چلانے کا حق نہیں ہے۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ایک معاملہ جتنے لوگوں کے مفاد سے تعلق رکھتا ہو اس میں ان سب کی رائے لی جائے، اور اگر وہ کسی بہت بڑی تعداد سے متعلق ہو تو ان کے معتمد علیہ نمائندوں کو شریک مشورہ کیا

(1) الازہری، پیر کرم شاہ، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، 1399ھ، 4، 384-385

(2) محمد شفیع، مفتی، تفسیر معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، 2008ء، 7، 705-707

جائے۔

دوسرے یہ کہ انسان مشترک معاملات میں اپنی من مانی چلانے کی کوشش یا تو اس وجہ سے کرتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی اغراض کے لیے دوسروں کا حق مارنا چاہتا ہے، یا پھر اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بڑی چیز اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔ اخلاقی حیثیت سے یہ دونوں صفات یکساں قبیح ہیں، اور مومن کے اندر ان میں سے کسی صفت کا شائبہ بھی نہیں پایا جاسکتا۔ مومن نہ خود غرض ہوتا ہے کہ دوسروں کے حقوق پر دست درازی کر کے خود ناجائز فائدہ اٹھانا چاہے، اور نہ وہ متکبر اور خود پسند ہوتا ہے کہ اپنے آپ ہی کو عقل کل اور علیم و خبیر سمجھے۔۔۔۔ تیسرے یہ کہ جن معاملات کا تعلق دوسروں کے حقوق اور مفاد سے ہو ان میں فیصلہ کرنا ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ کوئی شخص جو خدا سے ڈرتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ اس کی کتنی سخت جواب دہی اسے اپنے رب کے سامنے کرنی پڑے گی، کبھی اس بھاری بوجھ کو تنہا اپنے سر لینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس طرح کی جرأتیں صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو خدا سے بے خوف اور آخرت سے بے فکر ہوتے ہیں۔ خداترس اور آخرت کی بازپرس کا احساس رکھنے والا آدمی تو لازماً یہ کوشش کرے گا کہ ایک مشترک معاملہ جن جن سے بھی متعلق ہو ان سب کو، یا ان کے بھروسے کے نمائندوں کو اس کا فیصلہ کرنے میں شریک مشورہ کرے، تاکہ زیادہ سے زیادہ صحیح اور بے لاگ اور مبنی بر انصاف فیصلہ کیا جاسکے، اور اگر نادانستہ کوئی غلطی ہو بھی جائے تو تنہا کسی ایک ہی شخص پر اس کی ذمہ داری نہ آپڑے۔"[1]

مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس کے معنی آپس میں مشورہ کرنے کے ہیں، لفظ امر عربی میں ہمارے لفظ معاملہ کی طرح بہت وسیع معنوں میں آتا ہے۔ اس کے صحیح مفہوم کا تعین موقع و محل اور سیاق و سباق سے کرتے ہیں۔ یہاں قرینہ پتہ دے رہا ہے کہ یہ لفظ جماعتی نظم کے مفہوم میں آیا ہے۔ یعنی مسلمانوں کا جماعتی اور سیاسی نظم خود سری، انانیت، خاندانی برتری، نسبی غرور پر مبنی نہیں ہے بلکہ اہل ایمان کے باہمی مشورہ پر مبنی ہے۔ اس میں قریش کے نظم سیاسی و اجتماعی پر جو تعریف ہے وہ محتاج وضاحت نہیں ہے اس لئے کہ ان کا نظم اجتماعی تمام تر خاندانی اور نسبی امتیاز پر قائم تھا۔ اسلام کی مخالفت کا ایک بڑا سبب

---

[1] تفہیم القرآن، 4/508-511

ان کے لئے یہ بھی تھا کہ وہ اس دعوت کے فروغ پانے کی صورت میں اپنے اس جاہلی نظام کی موت سمجھتے تھے۔ قرآن نے اس آیت میں ایک طرف تو مسلمانوں کو یہ بشارت دے دی کہ ان کے لئے ایک ہئیت اجتماعی و سیاسی کی شکل میں منظم ہونے کا وقت آگیا اور یہ نظم اجتماعی نسب اور خاندان کی اساس کے بجائے اہل ایمان کے باہمی مشورہ پر مبنی ہوگا۔"[1]

جمہوریت عصری معاشروں کا مقبول ترین نظام حکومت ہے جس میں عوامی نمائندے پیش آمدہ مسئلہ پر خوب بحث کرتے ہیں پھر اس کو قانونی حیثیت دی جاتی ہے۔ یہ ایک طرح سے مشاورتی طریقہ کار ہی ہے لیکن مغربی اور اسلامی جمہوری نظاموں میں بہت فرق ہے اسلامی مشاورتی نظام اس کو اگر جمہوریت بھی کہا جاتا ہے تو اس میں مبادیات اسلامیہ اور مقاصد اسلامیہ کو ملحوظ رکھنا لازمی امر ہے تاکہ عوام کے حقوق کی تکمیل کے ساتھ ساتھ حقوق اللہ کی بھی پاسداری ہوتی رہے۔

خلاصہ

پاکستان کا قیام مسلمانان برصغیر کی انتھک محنتوں اور لازوال قربانیوں کا ثمر ہے سیاسی و معاشی زوال کے عہد میں مسلم رہنماؤں نے نہ صرف یہاں کے مسلمانوں کو اسلامی فکر و تہذیب پر کاربند رہنے کی مسلسل تلقین کی بلکہ ان کو ایک علیحدہ آزاد مسلم ریاست کے حصول کے لیے بھی تیار کیا جس کا نتیجہ میں 14 اگست 1947ء کو قیام پاکستان کی صورت میں سامنے آیا، اسلامی فلاحی ریاست کی تشکیل کے لیے علماء کرام نے سہ جہتی سطح پر کام کیا مدارس کو قائم کیا، خطبات و مواعظ دیئے اور قرآن کریم کی تفسیر کی۔ تفسیر قرآن میں انہوں نے حصول ریاست کے مقاصد، حکمران کی ذمہ داریاں، عوام و حکام میں تعلقات کی جہات اور حقوق و ذمہ داریوں کے حوالے سے اپنی آراء پیش کیں۔ اس مقالہ میں اردو نمائندہ منتخب تفاسیر کی روشنی میں بات کی گئی ہے جس میں دو پہلوؤں پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ اسلام کا نظریہ حصول ریاست، انصرام حکومت کا طریقہ کار اور فرد معاشرہ کے مابین حقوق و ذمہ داریوں کی جہت اور دوسرے پہلو میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ نظریہ پاکستان کے حصول کی واحد صورت یہی ہے کہ قرآنی نظریہ جو ریاست کی تشکیل کے حوالے سے ہے ان پر عمل پیرا ہوا جائے۔

---

[1] امین احسن اصلاحی، تدبر القرآن، 7/178-179